

ادیان کے درمیان گفتگو (دوم)

<?xml encoding="UTF-8">

ادیان کے درمیان گفتگو اس کی ضرورت، اس کے آداب

ب: انسانوں کی برابری کا اصول - آج کل یہ سوال برابر ذہنوں میں خطور کر رہا ہے کہ کیا انسان ایک دوسرے سے بیگانے ہیں؟ مثال کے طور پر یہ سوال کبھی اس طرح بھی پیش کیا جاتا ہے کہ کیا یہ امید رکھی جاسکتی ہے کہ کسی دن سارے انسانوں کے درمیان مفاہمت اور یکجہتی پیدا ہو جائے گی؟ اگر انسان ذاتا ایک دوسرے سے بیگانے نہ ہوں تو یہ امید کی جاسکتی ہے۔
اس سلسلے میں دو متباہن نظریات ہیں۔

1 انسان ایک دوسرے سے بیگانے ہیں؛

کسی فلسفی نے "تھامس ہابز" (1588-1679) کی طرح اس مسئلہ پر بحث نہیں کی ہے ان کے استدلال کے مطابق انسان ذاتا اپنے بنی نوع کا مخالف ہے اگر طاقتور مرکزی حکومت نہ رہے جو ڈنڈے کے زور پر حکومت نہ کرے تو انسان مفاہمت آمیز زندگی نہیں گزارے گا بلکہ شدید مسائل میں گرفتار نظر آئے گا۔
مجموعی طور سے ہابز کے فلسفے میں اس بیگانگی کے دو پہلو ہیں ایک پہلو نفسیات سے مربوط ہے، انسان محض اپنی ذاتی خود غرضی اور خود محوری کی بنیاد پر ایک دوسرے سے بیگانہ ہے ہر انسان پہلے مرحلے میں صرف اپنی زندگی کی فکر میں ہوتا ہے اور بعد کے مراحل میں دولت منزلت و مقام و منصب کی فکر کرتا ہے، ہابز کا خیال ہے کہ "انسان کسی دوسرے کو اہمیت نہیں دیتا مگر یہ کہ اس کے ہدف میں ممدو معاون ثابت ہویا اس کی راہ میں رکاوٹ ہو بنا بریں انسان کی زیادہ تر توجہ اپنی زندگی اور مقام پر ہوتی ہے۔
اس نفسیاتی پہلو کے تحت ایک امر ہے جسے ہم "بیگانہ ہستی شناسی کا پہلو" کہہ سکتے ہیں، ہستی مجموعہ اشیاء متحرک سے عبارت ہے۔

ہر حقیقت و واقعیت مشخص زمان و مکان سے تعلق رکھتی ہے اور تغیر ناپذیر قوانین طبیعیات اس پر حاکم ہوتے ہیں ہر انسانی فرد اس دنیا کا تعمیری اور مفید جزء ہے وہ نباتات و جمادات سے پیچیدہ تر ہے تاہم ان سے ماہیتاً فرق رکھتا ہے، مادی اشیاء ایک دوسرے سے صوری فرق رکھتی ہیں، انسان کو شفقت، ہمدلی، اور مشترکہ ہدف جیسے قیود متحد نہیں کر سکتے انسان صرف اس لحاظ سے یگانگت اور اتحاد کا حامل ہو سکتا ہے کہ اسے ایک دیوار میں پتھروں کی طرح سے چن دیا جائے (38) یہیں سے اخلاقیات میں نسبیت پسندی کا نظریہ پیش کیا گیا ہے کہ کسی بھی اخلاقی قدر کلی اعتبار کی حامل نہیں ہے بلکہ تمام اخلاقی اقدار کا اعتبار تہذیب و تمدن و فردی لحاظ پر منحصر ہے۔

برن یونیورسٹی کے استاد "جان لڈ" اخلاقی نسبیت پسندی کی اس طرح تعریف کرتے ہیں "اخلاقی نسبیت پسندی

ایک ایسا امر ہے جس کے تحت اخلاقی لحاظ سے صحیح و غلط اعمال الگ الگ ہوتے ہیں اور کوئی بھی عام اور مطلق اخلاقی معیار جو تمام انسانوں کے لئے ہر زمانے میں لازمی ہو موجود نہیں ہے (39) روث بندیکٹ دوسرے الفاظ میں یہ کہتے ہیں کہ "ہر تہذیب و تمدن انسانی محرکات و بالقوہ اہداف کے عظیم مجموعہ سے ترکیب پاتی ہے، ہر تہذیب میں اس کے خاص مادی وسائل و ذرائع اور ثقافتی خصوصیات سے استفادہ کیا جاتا ہے اور یہ مجموعہ جس میں انسان کا ہر ممکن عمل شامل ہوسکتا ہے اس قدر عظیم اور متضاد ہوتا ہے کہ کوئی ایک تہذیب اس کا یا اس کے بیشتر عناصر کا احاطہ نہیں کرسکتی بنابرین انتخاب شرط اول ہے (40)

2: دوسرا نظریہ ہے انسانوں کی یگانگت کا ،

بہت سے مفکرین کا کہنا ہے کہ انسان بنیادی طور سے ایک ہیں اس نظریے کے حامل مفکرین میں ارسطو سرفہرست ہیں ان کی نظر میں انسان اس پتے کی طرح ہے جو اپنی طبیعت کے لحاظ سے درخت کا حصہ ہے اور اپنے تمام وجود کے ساتھ ناگزیر شہر کا حصہ بھی ہے ، ارسطو کہتے ہیں کہ وہ گوشہ نشین انسان جو معاشرے کی سیاسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لے سکتا یا وہ انسان جو خود کفیل ہونے کی وجہ سے اس مشارکت سے بے نیاز ہے وہ شہر کے کارآمد عناصر میں شامل نہیں ہے بلکہ حیوان ہے یا خدا ہے 41 اس نظریے کے طرفداروں کا کہنا ہے کہ نسبت پسندوں نے یہ دیکھ کرکہ مختلف تہذیبوں کے قواعد الگ الگ ہیں یہ غلط نتیجہ اخذ کیا ہے کہ کسی بھی تہذیب کے قواعد دوسری تہذیب سے اچھے نہیں ہیں بلکہ کسی تہذیب کے قواعد کا دوسری تہذیب کے قواعد سے بہتر ہونے کا انحصار اخلاقی نظام کے اہداف پر ہے اس نظریے کے حامل افراد کا کہنا ہے کہ اخلاقی قواعد کا ہدف معاشرے کی بقا، انسانوں کے رنج و غم برطرف کرنا ، انسانی رشد و شکوفائی اور ان کے مفادات کے تصادم کو منصفانہ طریقے سے حل کرنا ہے یہ اہداف مشترکہ اصولوں کو جنم دیتے ہیں جو درحقیقت ثقافتی اختلافات کا سبب بنتے ہیں ان ہی اصولوں کی تفصیلات انسان شناس ماہرین نے بیان کی ہیں ۔

اٹھارویں صدی کے فلسفی "ڈیوڈھیوم نے کہا ہے کہ انسانی سرشت تمام اعصارو امصار میں ایک ہی رہی ہے اور حال ہی میں اے او ولسن نے انسانی سرشت کی بیس خصوصیات شمار کی ہیں 42۔

3: اسلام کا نظریہ ؛

اسلام انسان کی کلی خصوصیات کے بارے میں یگانگی کا نظریہ رکھتا ہے و اخلاقی اصول کو ثابت اور تمام انسانوں کے درمیان اور تمام زمانوں میں مشترک سمجھتا ہے گرچہ ممکن ہے بعض فروعات میں تبدیلیاں آئیں بنابرین انسان میں تبدیلیاں جو ایک مادی حقیقت ہے اقدار کی تبدیلیوں سے الگ مسئلہ ہے اور اگر ہم انسانی اقدار کو قابل تغیر اور نسبی جانیں تو ہمیں ہر گروہ ، ہر طبقے اور ہر آئیڈیالوجی کے حامل فرد کے لئے الگ الگ اخلاق و اقدار کا قائل ہونا پڑے گا اس کے معنی یہ ہونگے کہ اخلاق کاسرے سے انکار کرکے اخلاقی اقدار کو بے بنیاد قرار دیں ۔

آیت فطرت میں خدا ارشاد فرماتا ہے "فاقم وجهک للدين حنیفا فطرة الله التي فطر الناس علیها لاتبدیل لخلق الله ذلك الدين القيم ولكن اکثر الناس لا یعلمون اے رسول تم باطل سے کتراکر اپنا رخ دین کی طرف کئے رہو یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی درست کی ہوئی بناوٹ میں تغیر و تبدل نہیں ہوسکتا یہی مضبوط اور بالکل سیدھا دین ہے مگر بہت سے لوگ نہیں جانتے ۔

اس آیت میں صراحتاً دین کو امر فطری قرار دیا گیا ہے ۔

علامہ طباطبائی اس آیت کے ذیل میں اس بات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے کہ انسان کی سعادت ان کے اختلافات کی بنا پر اگر مختلف ہوتی تو ایک صالح اور واحد معاشرہ جو انسان کی سعادت کا باعث ہوتا وجود میں نہ آتا، اسی طرح اگر انسان کی سعادت سرزمینوں کے الگ الگ ہونے کی بنا پر جہاں وہ زندگی گذارتے ہیں مختلف ہوتی اور اجتماعی اداب کے مطابق ہوتی تو انسان نوع واحد کے زمرے میں نہ آتے بلکہ علاقوں کے مطابق الگ الگ نوعیت کے ہوتے اسی طرح اگر انسانوں کی سعادت زمانے کے لحاظ سے مختلف ہوتی تو انسان مختلف قرون و اعصار میں مختلف نوع کے ہوتے اور ہر عصر کا انسان دیگر زمانے کے انسان سے الگ ہوتا۔

اس طرح انسان کبھی کمال کی منزلیں طے نہ کرتا اور انسانیت ناقص رہ جاتی کیونکہ اس صورت میں کوئی نقص و کمال ہی نہ ہوتا کیونکہ اگر ماضی کا انسان آج کے انسان سے مختلف ہوتا تو اس کا نقص و کمال اسی سے مخصوص ہوتا نیز آج کے انسان کا نقص و کمال اس سے مخصوص ہوتا، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ انسان صرف اسی صورت میں کمال کی طرف بڑھ سکتا ہے جب جہت تمام زمانوں میں تمام انسانوں کے درمیان مشترک و ثابت ہو

البتہ ہماری اس بات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ افراد اور زمان و مکان میں اختلاف دینی سنن کی برقراری میں موثر نہیں ہے بلکہ فی الجملہ اور کسی حد تک موثر ہے 44 بنا بریں علامہ طباطبائی کی نظر میں دودلیوں کی بنا پر 1 انسان کے اجتماعی ہونے 2 اور اس کی وحدت نوعی کی بنا پر انسانیت حقیقت واحدہ ہے جو تمام افراد و اقوام کے درمیان مشترک ہے علامہ نے اس بحث کے اختتام پر تفصیلی دلائل ذکر کئے ہیں اور ان مسائل کی مکمل وضاحت کی ہے ۔

اس سلسلے میں دیگر آیات جیسے آیہ ذر 45 اور آیہ عہد 46 و 47 کی طرف مراجعہ کیا جاسکتا ہے یہ آیات انسانی وحدت اور اس کی فطرت واحدہ پر دلالت کرتی ہیں ۔

حضرت علی علیہ السلام نے فلسفہ بعثت انبیاء بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ فبعث فیہم رسلہ و واتر الیہم انبیاءہ لیستادوہم میثاق فطرتہ و یذکروہم منسی نعمتہ و یحتجوا علیہم بالتبلیغ و یشیروا لہم دفائن العقول 48 وقفے وقفے سے ان (انسانوں) کے درمیان انبیاء و رسل بھیجتا رہا اور ان کے ذریعے انہیں انتباہ دیا کہ عہد الست (میثاق فطرت) پر قائم رہیں اور فراموش شدہ نعمت کی یاد دہانی کراتے رہیں اور تبلیغ سے ان پر حجت تمام کریں اور سوئی ہوئی عقلوں کو بیدار کریں (نہج البلاغہ خطبہ اول)

انبیاء الہی اس وجہ سے آئے تھے کہ لوگوں کو یہ سمجھائیں کہ تمہاری روح ضمیر اور باطن کی گہرائیوں میں عظیم خزانے دفن ہیں اور تم اس سے غافل ہو، بنا بریں حقیقت و دانائی ہنر و جمال خیر و فضیلت عشق و پرستش ان سارے امور کا سرچشمہ فطرت ہے یعنی انسان روح و بدن سے مرکب حقیقت ہے ۔

انسان کی روح الہی ہے

(ونفخت فیہ من روحی) 49 اور اس کا جسم عناصر طبیعی سے مرکب ہے جس کی بنا پر وہ نیچر یا طبیعت سے وابستہ ہے اور عناصر غیر طبیعی اسے ماوراء طبیعت کی طرف لے جاتے ہیں ۔

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام مالک اشتر کو اپنے معروف جملے میں انسان کی تعریف سے آگاہ فرماتے ہیں کہ "اما اخ لك فی الدین اور نظیر لك فی الخلق " 50 یعنی انسان یا تمہارے دینی برادر ہیں یا خلقت میں تمہاری طرح مساوی ہیں ، لہذا اس قدر غرور ناسازگاری اور اختلاف کس بنا پر؟ کیا سب انسان ہمرہ و ہم قافلہ و ہمزاد نہیں ہیں؟ 51 مجموعی طور سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انبیاء الہی کی تعلیمات فطرت بشری کے مطابق ہیں ۔

ج: انسانوں کے درمیان اختلافات مسلم حقیقت ؛

انسان ایک نوع ہونے کے ساتھ ساتھ اختلافات کا بھی حامل ہے ہر انسان کو ایک جیسا نہیں سمجھا جاسکتا افراد بشر میں ظاہری و مادی اور معنوی و باطنی امور میں اختلافات پائے جاتے ہیں ۔

1 ظاہری اختلاف :

انسان جنسیت ، نسل رنگ و علاقے کے لحاظ سے ظاہری طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہوتا ہے البتہ یہ امور ایک دوسرے پر برتری اور امتیاز کے موجب نہیں ہوسکتے اور نہ ان سے انسان کی ماہیت میں کوئی فرق آتا ہے ۔

قرآن نے ان اختلافات کو قبول کیا ہے اور تکوینی و طبیعی امور قرار دیا ہے ارشاد ہوتا ہے "یا ایہا الناس انا خلقناکم من ذکرو انثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرکم عنداللہ اتقیکم 52 اے لوگو ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور گروہوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا ہے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکولیکن خدا کی نظر میں سب سے عزیز وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے ۔

2 معنوی و باطنی اختلاف

معنوی اختلاف میں متعدد امور دخیل ہوسکتے ہیں جیسے صلاحیتوں کا مختلف ہونا ، ایمانی درجات کا مختلف ہونا وغیرہ ۔

صلاحیتوں کے مختلف ہونے کا سبب ذاتی ہوسکتا ہے یعنی بعض افراد کی صلاحیتیں دوسروں سے کہیں بہتر ہوسکتی ہیں یا ممکن ہے کوئی اور سبب ہو جیسے آج کی دنیا میں پیدا ہونا کیونکہ آج کی دنیا کی ترقی و پیشرفت ماضی کے انسان کے لئے قابل درک نہیں تھی یہی مسئلہ بعض دینی معارف کے سمجھنے میں بھی صادق آتا ہے ، معصومین علیہم السلام سے مروی ہے کہ آخری زمانے میں یہ ممکن ہوسکے گا کہ لوگ سورہ توحید اور سورہ حدید کی ابتدائی آیات کو بھرپور طرح سے سمجھ لیں گے بہر صورت اس طرح کے اختلافات

گرچہ موجود ہیں لیکن دین نے تعلیمات کا ایک کم سے کم نصاب سب کے لئے معین کیا ہے جس کا فہم و ادراک سب کے لئے لازمی ہے اور ان اختلافات کو آزمائش و حصول کمالات کا ذریعہ قرار دیا ہے ۔

سورہ مائدہ کی 48 ویں آیت میں ارشاد ہوتا ہے " ما وانزلنا الیک الكتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الكتاب ومہیمننا علیہ فاحکم بینہم بما انزل اللہ ولا تتبع اہواءہم عما جاءک من الحق لکل جعلنا منکم شرعۃ و منہاجا ولو شاء اللہ لجعلکم امة واحدة ولكن لیبلوکم فی اتیکم فاستبقوا لخیرات " اے رسول ہم نے تم پر بھی برحق کتاب نازل کی کہ جو کتاب اس کے پہلے سے اس کے وقت میں موجود ہے اس کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی نگہبان بھی ہے تو جو کچھ تم پر خدا نے نازل کیا ہے اسی کے مطابق تم بھی حکم کرو اور جو بات خدا کی طرف سے آچکی ہے اس سے کتراکے ان لوگوں کی خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کے واسطے (حسب مصلحت وقت) ایک ایک شریعت اور خاص طریقہ مقرر کر دیا ہے اور اگر خدا چاہتا تم سب کے سب کو ایک ہی شریعت کی امت بنادیتا مگر (مختلف شریعتوں سے) خدا کا مقصود یہ تھا کہ جو کچھ تمہیں دیا ہے اس میں تمہارا امتحان لے بس تم نیکیوں میں لپک کر آگے بڑھ جاؤ۔

اس آیت مبارکہ میں چند نکات پر توجہ کرنا ضروری ہے ۔

1 شریعت و دین کے معنی راہ کے ہیں تاہم ظاہر قرآن سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ شریعت کے معنی اخص اور دین سے کم ہیں کیونکہ انبیاء کو گرچہ اصحاب شرایع مانتا ہے لیکن تمام انبیاء کا دین ایک ہی ہے جو اسلام ہے 53 ان الدین عند اللہ الاسلام 54 خدا کے نزدیک دین صرف اسلام ہی ہے ، یا ماکان ابراہیم یہودیا و لانصرانیا ولكن کان حنیفا مسلما 55 ابراہیم نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ نرے کھرے حق پرست (مسلم، فرمانبردار بندے) تھے ۔

2 خدانے اپنے بندوں کے لئے صرف ایک دین یعنی دین اسلام معین فرمایا ہے اور اسی پر عمل کرنے کا حکم دیا ہے لیکن اس ہدف تک پہنچنے کے لئے اسے مختلف راہیں دکھائی ہیں اور انسانوں کی مختلف صلاحیتوں کے مطابق ان کے لئے مختلف آداب و سنن مقرر فرمائے جنہیں ہم مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں سے تعبیر کرتے ہیں چنانچہ خدا کسی شریعت میں کسی حکم کی مصلحت کے منقضى (ختم) ہونے اور نئی مصلحت کے وجود میں آنے سے بعض احکام کو منسوخ فرمادیتا ہے ۔

3: شرایع میں اختلافات زمانے کے گزرنے ، انسان کی صلاحیتوں میں پیشرفت و ترقی کی بنا پر بھی وجود میں آتے ہیں اور خدا کی طرف سے معین کئے گئے فرائض و احکام شریعت انسان کے لئے زندگی کے مختلف موقعوں پر امتحان کے علاوہ کچھ نہیں ہیں عبارت دیگر خدانے ہر امت کے لئے الگ شریعت و راستہ قرار دیا ہے اور اگر خدا چاہتا تو تمام قوموں کو ایک امت میں شامل کردیتا اور اس کے لئے ایک شریعت اور ایک طریقہ بنادیتا لیکن خدانے متعدد شرایع مقرر فرمائے تاکہ تمہیں گوناگون نعمتیں عطا کر کے تمہارا امتحان لے یہاں نعمتوں کا مختلف ہونا امتحان کے مختلف ہونے کا مستلزم ہے اور یہ امتحان فرائض و احکام شرعی سے عبارت ہیں ۔

روایات میں بھی صلاحیتوں اور درجات ایمان کے اختلاف پر توجہ کی گئی ہے ۔

مرحوم کلینی علیہ الرحمة کافی میں زرارہ سے نقل کرتے ہیں کہ زرارہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ ایک دن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ، کیا ہم خود کو میزان قرار دیں امام علیہ السلام

نے فرمایا میزان کیا ہے؟ انہوں نے کہا جو بھی ہم سے موافق ہو خواہ علوی ہو یا غیر علوی (اسے ہم مسلمان اور اہل نجات کے طور پر دوست رکھیں) اور جو ہمارا مخالف ہو خواہ علوی ہو یا غیر علوی اس سے بیزاری کا اظہار کریں (گمراہ و اہل ہلاکت کے طور پر) اس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا کیا خدا کا کلام تمہارے کلام سے زیادہ صحیح نہیں ہے؟ ان لوگوں کا کیا ہوگا جن کے بارے میں خدانے فرمایا ہے کہ "مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے اس قدر بے بس ہیں کہ نہ تو (دارلحرب سے نکلنے کی) کوئی تدبیر کرسکتے ہیں نہ انہیں اپنی رہائی کی کوئی راہ دکھائی دیتی ہے 56، اور ان لوگوں کا کیا ہوگا جو خدا سے امید رکھتے ہیں 57، اور ان لوگوں کا کیا ہوگا جنہوں نے نیک کاموں کے ساتھ برے کام بھی کئے ہیں 58 اصحاب اعراف کا کیا ہوگا 59؟ اور مولفۃ القلوب کا کیا بنے گا؟ حماد اپنی روایت میں زرارہ سے نقل کرتے ہیں کہ زرارہ نے کہا اس موقع پر میرے اور امام علیہ السلام کے درمیان بحث ہونے لگی ہم دونوں کی آواز بلند ہوگئی یہاں تک کہ گھر سے باہر بھی آواز سنی جاسکتی تھی 60۔

اس حدیث میں امام علیہ السلام کی مراد یہ ہے کہ اچھائی برائی اور اہل بہشت و دوزخ ہونے کا معیار صرف شیعوں سے ہم عقیدہ ہونا نہیں ہے بلکہ امام نے فرمایا کہ وہ لوگ جو شیعہ نہیں ہیں اور قاصر ہیں اور عناد بھی نہیں رکھتے اور وہ لوگ جن کے اوصاف قرآن میں ذکر کئے گئے ہیں وہ جنت میں جائیں گے کیونکہ خدانے انہیں معاف کرنے کا وعدہ کیا ہے اور ان سے بیزاری کا اظہار نہیں کرنا چاہیے۔

حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ "آپ لوگوں کو بیزاری سے کیا سروکار ہے ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کیوں کرتے ہیں؟ بعض مومنین کو بعض پر فضیلت حاصل ہے اور کچھ لوگ کچھ لوگوں سے زیادہ نمازیں پڑھتے ہیں اور کچھ لوگوں کی بصیرت دوسروں سے زیادہ ہے اور یہی ایمان کے درجات ہیں 61 جس کے بارے میں خدانے فرمایا ہے "ہم درجات عند اللہ 62۔

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا خدا کی قسم اگر ابوذر کو معلوم ہوتا کہ سلمان کے دل میں کیا ہے تو انہیں قتل کردیتے جبکہ رسول اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان عقد اخوت پڑھا تھا 63، بنابراین بحث و گفتگو میں ان تمام اختلافات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے اور بے جا توقع بھی نہیں رکھنا چاہیے۔

ہاشم بن البرید سے روایت ہے کہ میں، محمد بن مسلم اور ابوالخطاب ایک جگہ جمع تھے، ابوالخطاب نے سوال کیا کہ جو شخص امر امامت سے واقف نہ ہو اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے، میں نے کہا میرے خیال میں وہ کافر ہے ابوالخطاب نے کہا جب تک اس پر حجت تمام نہ ہو جائے وہ کافر نہیں ہے اگر حجت تمام ہو جائے اور اس کے بعد اس نے امام کو نہیں پہچانا تو کافر ہے، محمد بن مسلم نے کہا سبحان اللہ اگر امام کو نہ پہچانتا ہو اور انکار بھی نہ کرتا ہو تو کس طرح سے کافر کہلائے گا ہرگز نہیں غیر عارف اگر منکر نہ ہو تو کافر نہیں ہے ہاشم بن البرید کہتے ہیں اس طرح ہم تینوں تین الگ الگ نظریات کے حامل تھے۔

وہ کہتے ہیں موسم حج آن پہونچا مکہ میں امام صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اپنی بحث کی تفصیل سے امام کو آگاہ کیا اور آپ سے جواب چاہا، امام نے فرمایا کہ میں اس وقت تمہارا جواب دینگا جب تم تینوں ساتھ ہو گے اور آج کی رات منی میں جمرہ وسطی کے پاس میرے پاس آنا، رات کو ہم تینوں امام کی خدمت میں حاضر ہوئے، امام علیہ السلام نے ایسے عالم میں کہ اپنے سینے سے تکیہ لگائے ہوئے تھے سوال پوچھنا شروع کیا کہ تم لوگ اپنے ملازموں، عورتوں اور اہل خانہ کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ کیا یہ لوگ وحدانیت خدا کی گواہی دیتے ہیں، میں نے کہا جی ہاں آپ نے فرمایا کیا رسول کی رسالت کی گواہی دیتے ہیں میں نے کہا جی ہاں، آپ نے فرمایا کیا وہ لوگ تم لوگوں کی طرح امامت و ولایت کی شناخت رکھتے ہیں، میں نے کہا جی نہیں اس

موقع پر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ پس تم لوگوں کی نظر میں ان کا انجام کیا ہوگا؟ میں نے کہا جو شخص امام کو نہ پہچانے کافر ہے امام نے فرمایا سبحان اللہ کیا تم نے کوچہ و بازار میں لوگوں کو نہیں دیکھا سقاؤں (بہشتیوں) کو نہیں دیکھا، میں نے کہا کیوں نہیں دیکھا ہے اور دیکھتے ہیں آپ نے سوال فرمایا کیا یہ لوگ نماز نہیں پڑھتے روزہ نہیں رکھتے حج نہیں بجالاتے اور خدا کی وحدانیت و رسول خدا کی رسالت کی گواہی نہیں دیتے؟ میں نے کہا جی ہاں، اس کے بعد امام نے فرمایا کیا یہ لوگ تمہاری طرح امام کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا جی نہیں، تو امام نے فرمایا پس ان کا کیا ہوگا؟ میں نے کہا میرے خیال میں جو شخص امام کو نہ پہچانے وہ کافر ہے، اس وقت امام نے فرمایا سبحان اللہ کیا تم کعبہ کے اطراف لوگوں کی بھیڑ اور ان کے طواف کو نہیں دیکھ رہے ہو؟ کیا تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ اہل یمن کس طرح سے کعبہ کے پردوں سے چپکے ہوئے ہیں، میں نے کہا جی بے شک آپ نے فرمایا کیا یہ لوگ توحید و نبوت کا اقرار نہیں کرتے؟ نماز نہیں پڑھتے؟ روزہ نہیں رکھتے، حج نہیں بجالاتے؟ میں نے کہا کیوں نہیں تو آپ نے فرمایا کیا یہ لوگ تمہاری طرح سے امام کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا جی نہیں، امام نے فرمایا ان لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے میں نے کہا میرے خیال میں جو لوگ امام کو نہیں پہچانتے وہ کافر ہیں امام نے فرمایا سبحان اللہ یہ تو خوارج کا عقیدہ ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام نے فرمایا کیا چاہتے ہو میں تمہیں حقیقت سے آگاہ کروں؟

ہاشم کہ جو جانتا تھا امام کا فیصلہ اس کے عقیدہ کے برخلاف ہوگا

اس نے کہا نہیں۔

اس وقت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگوں کے لئے کس قدر بری بات ہے کہ جو چیزیں ہم سے (اہل بیت) سے نہیں سنی ہیں اپنی طرف سے کہو، ہاشم نے بعد میں دوسروں سے کہا کہ میں یہ سوچ رہا تھا کہ امام محمد بن مسلم کی نظر کی تائید کر کے ہمیں اس کی پیروی کا حکم دیں گے 64۔

اسلامی فلاسفہ نے اس مسئلہ کو الگ صورت میں بیان کیا ہے تاہم جو نتیجہ اخذ کیا ہے پوری طرح وہی ہے جو ہم نے آیات و روایت سے استفادہ کیا ہے۔

صدر المتآلہین اسفار میں خیر و شر کی بحث میں اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ اعتراض کہ کس طرح خیر شر پر غالب ہے؟ جبکہ انسان جو کہ اشرف کائنات ہے جب اسے دیکھتے ہیں کہ اکثر انسان عمل کے لحاظ سے برے اعمال کا شکار ہیں اور اعتقاد کے لحاظ سے عقائد باطل اور جہل مرکب میں گرفتار ہیں اور اس سے ان کی آخرت خراب ہو جاتی ہے اور مستحق شقاوت و عذاب ہو جاتے ہیں لہذا بنی نوع انسان جو اشرف المخلوقات ہے اس کا انجام شقاوت و جہنم ہے۔

صدر المتآلہین اس اعتراض کے جواب میں کہتے ہیں کہ آخرت میں لوگ شقاوت و سعادت کے لحاظ سے اس دنیا میں صحت و سلامتی کے لحاظ سے ہیں کیونکہ اس دنیا میں مکمل صحت و سلامتی، مکمل خوبصورتی، مکمل بیماری وغیرہ نہایت کم یا اقلیت میں ہے اور اکثریت متوسطین کی ہے جو نسبتاً ان صفات کے حامل ہیں اسی طرح آخرت میں "کمترین" کہ جنہیں قرآن السابقون کے لقب سے یاد کرتا ہے ان کی تعداد بھی اقلیت میں ہے اور اکثریت متوسطین کی ہے جنہیں قرآن "اصحاب الیمین" کہتا ہے بنابرین دونوں صورتوں میں اکثریت رحمت خدام میں شامل ہے 65 بالفاظ دیگر اسلام اور فقہی لحاظ سے وہ مسلمان نہیں ہیں لیکن حقیقت میں مسلم ہیں یعنی حقیقت کے سامنے تسلیم ہیں اور اس سے عناد نہیں رکھتے ہیں۔

آزادی انتخاب مذهب و طریقت :اس بارے میں ادیان الہی کا کہنا ہے کہ دنیوی زندگی کا ہدف آخرت ہے ۔ انسانوں کو اس دنیا میں اس طرح زندگی گزارنا چاہیے کہ آخرت میں سعادت و کامرانی حاصل ہوسکے اور اس ہدف کوپانے کے لئے دینی اعتقادات کا حامل ہونا ضروری ہے تاکہ اعمال درگاہ خداوندی میں قبول ہوں اور عفو بخشش کے سامان فراہم ہوسکیں ورنہ محض عقل و اخلاقی اصولوں کی پیروی انسان کو سعادت مند نہیں بنا سکتی ۔

اب جبکہ یہ معلوم ہوچکا ہے کہ انسان کی سعادت کے لئے خدا اور معاد پر ایمان ضروری ہے تو انسان کو اس راہ پر گامزن کرنے کے لئے کیا کرنا چاہیے ؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ طاقت کے بل بوتے پر انسانوں کو سعادت کے راستے پر لگانا چاہیئے "اگوسٹین" اس نظریے پر استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر یہ یقینی ہوکہ کوئی ایمان سے دستبردار ہونے کی صورت میں ابدی عذاب میں گرفتار ہونے والا ہے تو بہتر یہی ہے کہ اسے طاقت کے بل بوتے پر مومن بنایا جائے تاکہ اسے ابدی سعادت حاصل ہو جائے وہ کہتے ہیں کہ اس طرح سے طاقت کا استعمال پسندیدہ ہے کیونکہ اس سے انسان کو بہشت حاصل ہوجاتی ہے اور اگر انسان طاقت کے استعمال کے دوران مر بھی جائے تو یہ تکلیفیں آخرت کے عذاب کے مقابل کچھ بھی نہیں ہیں کیونکہ ان تکلیفوں کے ذریعے انسان کی آخرت سدھاری جاتی ہے ۔ اس نظریے کے مقابل دوسرا نظریہ، یہ ہے کہ دین پر اعتقاد، بلا جبر یعنی ازروی اختیار ہے ،طاقت کے استعمال اور جبر سے کبھی بھی قلبی اعتقاد وایمان حاصل نہیں ہوسکتا ۔

جان لاک کہتے ہیں کہ طاقت کا استعمال موثر واقع نہیں ہوتا کیونکہ طاقت سے بظاہر انسان کو اطاعت کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے لیکن دل کی گہرائیوں سے اسے کسی عقیدے کے قبول کرنے پر ہرگز مجبور نہیں کیا جاسکتا، وہ کہتے ہیں کہ طاقت کے استعمال کا واحد نتیجہ نفاق تظاہر اور ریاکاری کو فروغ دینا ہے بنابریں عقائد کے سلسلے میں طاقت کا استعمال اخلاقی لحاظ سے نقصان دہ ہے اور بدرجہ اولیٰ راہ راست کی طرف ہدایت کا باعث نہیں بن سکتا اور نہ سعادت کا موجب ہے 66 ۔

قرآن میں آزادی کے بارے میں کئی آیات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ انسان اپنی آزادی کے سہارے اپنی راہ کے منتخب کرنے کا خود ذمہ دار ہے اور اسے اس بارے میں جواب دینا ہوگا ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے **لا اکراہ فی الدین** **قد تبیین الرشید من الغی 67** دین میں کسی طرح کا جبر واکراہ نہیں ہے کیونکہ ہدایت کا راستہ گمراہی کے راستے سے الگ ہوچکا ہے ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ دین سچا راستہ اور صراط مستقیم ہے ورنہ لا اکراہ فی الدین کے کوئی معنی نہ ہوتے کیونکہ اکراہ و زبردستی کسی چیز کو اپنے قلبی لگاؤ کے برخلاف قبول کرنے و کو کہتے ہیں لیکن اگر کوئی فکر واضح اور سچائی پر مبنی ہو تو وہ انسان کو انتخاب و اختیار کا موقع فراہم کرتی ہے اور ٹھوس دلیلوں اور متقن گفتگو سے انسان کو ہدایت کی راہ دکھاتی ہے نیز اس نکتے پر بھی تاکید کرتی ہے کہ غلط راہ اور گمراہی کا انتخاب کرنے والا اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور اسے اپنے برے انجام کا منتظر رہنا ہوگا کیونکہ دین نے کسی طرح کی زبردستی نہیں کی ہے ارشاد ہوتا ہے **وقل الحق من ربکم فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر 68** اے رسول تم کہہ دو کہ سچی بات تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوچکی ہے جس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے ۔

اس آیت شریفہ سے یہ استفادہ ہوتا ہے کہ ہر انسان اپنی راہ انتخاب کرنے کا خود ذمہ دار ہے ،ارشاد ہوتا ہے **ولو شاء**

ربك لآمن من فى الارض كلهم جميعا ،افانت تكره الناس حتى يكونوا مومنين 69 اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہوتا کہ سب کے سب ایماندار ہوجائیں ۔

ایک اور آیت میں ارشاد ہوتا کہ **ولو شاء الله ما اشركوا وما جعلناك عليهم حفيظا وما انت عليهم بوكيل 70** اور اگر خدا چاہتا تو یہ لوگ شرک ہی نہ کرتے اور ہم نے تمکو ان لوگوں کا نگہبان تو بنایا نہیں ہے اور نہ تم ان کے ذمہ دار ہو۔

ان آیات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اے پیغمبر تم لوگوں کی فکروں پر دباؤ نہیں ڈال سکتے بلکہ اپنی فکر پیش کرو اور اپنی رسالت کو اس کے نتائج کی پرواہ کئے بغیر انجام دو ۔

فذكر انما انت مذكر و لست عليهم بمسيطر 71 اے رسول تم بس نصیحت کرنے والے ہو تم لوگوں پر داروغہ تو نہیں ہو۔

ان تمام آیات سے فکر و تعقل کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ فکر و خرد پر دباؤ نہیں ڈالا جاسکتا کیونکہ یہ کام منطق و فکر سالم کے منافی ہے ۔

بہر صورت خدا فرماتا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو سارے انسانوں کو ایک ملت میں شامل کردیتے لیکن ہم نے چاہا کہ ان کا امتحان لیں تاکہ وہ خود اپنی راہ پیدا کریں اور **ولو شاء ربك لجعل الناس امة واحدة ولايزالون مختلفين 72** اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو بیشک تمام لوگوں کو ایک ہی قسم کی امت بنادیتا (مگر اس نے نہ چاہا اسی وجہ سے) لوگ آپس میں پھوٹ ڈالا کریں گے ۔

ولو شاء لجعلكم امة واحدة ولكن ليلوكم فى ما اتيكم 73 خدا اگر چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنادیتا تاکہ اپنی عطا کی ہوئی نعمتوں کے بارے میں تمہارا امتحان لے ۔

ان تمام امور سے پتہ چلتا ہے کہ اگر دینداری جبراً ہو تو اسے دینداری نہیں کہہ سکتے ،لوگوں کو مجبور کیا جاسکتا ہے لیکن ان کی فکر کو بیڑی نہیں پہنائی جاسکتی اعتقاد کے لئے ضروری ہے کہ دلیل و منطق پر استوار ہو البتہ امر بالمعروف و نہی ازمنکر کا مسئلہ الگ ہے اس میں بھی ارشاد ہے اجبار نہیں ہے ۔

حاشیہ ۔

1 سب سے پہلی گفتگو ہابیل و قابیل کے درمیان قربانی کی قبولیت یا عدم قبولیت کے بارے میں ہوئی تھی (سورہ مائدہ 27-30)

2 الامام الصدر و الحوار (کلمة سواء)الموتمر الدول ص95

3 دکتر احمد شلبی ،مقارنة الاديان ،الطبعة الثامنة ج 1 ص27

4سورة بقره 113

5 سورة بقره

6سورة بقره 32-30

7سورة اعراف 18-12

8 عنکبوت 14

9 هود 32

10 هود 45-47

11 هود 74

12 نحل 125

13 مفسرین کا کہنا ہے کہ صرف ایک خاص گروہ کو حکمت و برہان و دلیل عقلی و علمی کے ذریعے دعوت ہدایت دی جاسکتی ہے لیکن بعض لوگ عقلی و علمی استعداد کے حامل نہیں ہوتے ہیں انہیں وعظ و نصیحت و قصہ و حکایات کے ذریعے ہدایت کی جاسکتی ہے، تیسرا گروہ ایسا ہے جو صرف اعتراض کرنا جانتا ہے اس کے ساتھ بحث و مباحثہ کرنا چاہیے لیکن اچھے اور بہتر طریقے سے مباحثہ کرتے وقت راہ حق و حقیقت سے خارج نہیں ہونا چاہیے بے انصاف حق کشی اور جھوٹ کا سہارا نہی لینا چاہیے ۔

14 عنکبوت 48

15 نوح 21/ شعراء 130 و 151 / انبیاء 54 / طہ 47/ زخرف 63 /

16 زخرف 87 / عنکبوت 61 و 63 / لقمان 25 / زمر 38/ زخرف 9/۔

17 زمر 3 ۔

18 یوسف 106

19 کلینی، کافی ج 4 ص 143

20 مجلسی، مرآة العقول ج 11 ص 234 ۔

21 توبہ 31 ۔

22 محمد ابوزہرہ، تاریخ الجدل ۔

23 فصلت 34

24 زمر 18

25 وصیتہ لہشام وصفته للعقل ان الله تبارک وتعالی بشر اهل العقل والفہم فی کتابہ فقال فبشر عبادی.....

بحار الانوار ج 75 ص 296۔ کلینی کافی ج 1 ص 14 روایت 12

26 المیزان ج 23 ص 251

27 انفال 22

28 کلینی کافی ج 1 ص 35

29 فیض کاشانی، محجة البیضاء قم ج 1 ص 21 ۔

30 کلینی کافی ج 1 ص 43 روایت 5

31 کلینی ایضا ج 8 ص 167

32 خذوا الحق من اهل الباطل ولا تاخذوا الباطل من اهل الحق کونوا نقاد الکلام بحار الانوار ج 2 ص 96 روایت 39۔

33 نہج البلاغہ، صبحی صالح حکمت 289

34 نہج البلاغہ خطبہ 94

35 نہج البلاغہ حکمت 139

36 اسراء 36

37 اصول کافی، چاپ آخوندی ج 2 ص 388

38 تفکر سیاسی، گلن تیندر، ترجمہ محمود صدیقی ص 23

39 جانلد، نسبت گرائی اخلاقی، و دسورث 1973 مجلہ نقد و نظر ش 13-14 ص 327

40 الگوہاے فرہنگ نیویورک 1942، ص 219 مجلہ نقد و نظر ش 13-14 ص 327

41 تفکر سیاسی گلن تندر ترجمہ محمود صدیقی ص 23

42 مجلہ نقد و نظر ش 13-14 ص 335

43 سورہ روم 30 ۔

44 ترجمہ تفسیر المیزان ج 31 ص 287-288

45 سورہ اعراف 172

46 یس 60

47 سورہ نساء 1

48 نہج البلاغہ خطبہ اول

49 ص 72

50 نہج البلاغہ مکتوب 53

51 مولوی دیوان شمس

52 سورہ حجرات 13

53 البتہ خدا کے سامنے تسلیم ہونے کے لئے اس کے بھیجے ہوئے احکام پر عمل کرنا ضروری ہے اور خدا کی آخری شریعت یعنی اس کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت پر عمل کرنا لازمی ہے ۔

54 آل عمران 19

55 آل عمران 67

56 نساء 98

57 یہ سورہ توبہ کی آیت 106 کی طرف اشارہ ہے

58 سورہ توبہ کی آیت 102 کی طرف اشارہ ہے

59 سورہ اعراف کی آیت 42 کی طرف اشارہ ہے

60 کلینی کافی ج 4 ص 92

61 کلینی ایضا ج 3 ص 76 ۔

62 آل عمران 163

63 بحار الانوار ج 2 ص 190

64 کلینی ایضا ج 2 باب الضلال ص 104 نقل از کتاب عدل الہی شہید مطہری ص 345 ۔

65 نقل از عدل الہی شہید مطہری ص 349

66 تسامح آری یا نہ دفتر نخست ص 49

67 بقرہ 256

68 کہف 29

69 یونس 99

70 انعام ر 107

71 غاشیہ 21-22

72 ہود 118

73 آل عمران 48۔